بندِ قبا
محسن نقوی
profakbar.blogspot.com

انتساب

نکہتوں سے بھری،
عنبریں ساعتوں
نیم [illegible] راحتوں
مسکراتی ہوئی صورتوں کے لیے

مہکتے بستے بدن کی
مہکتی ہوئی
صبحوں جیسی کرن کانچ
برفاب سی مورتوں کے لیے

اُس کے نازک نفس
حُسن کے نام ہے — ہرشہزا، کا کنول

نئی نسل کا منفرد شاعر

اُردو غزل اپنے ارتقائی سفر کی ہر منزل پر نت نئے رجحانات، افکار و معتقدات کو جذبے کا آب و رنگ دے کر اپنے دامن کو سمیٹتی رہی ہے، اس کی تہ داری، پہلو داری اور رمز و ایمائے حیات و کائنات کی وسعتوں اور بوقلمونی کی ترجمانی کا حق بھی ادا کیا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ طرزِ احساس، اندازِ فکر اور اسلوبِ اظہار میں بھی تغیرات ہوتے رہے ہیں، چنانچہ نئی غزل بھی نئے طرزِ احساس اور نئے ذہنی رویے کی آئینہ دار ہے۔ یہ نیا طرزِ احساس اور نیا ذہنی رویہ اقدار کے عدم تعین، بے اطمینانی، بے یقینی اور جذباتی ناآسودگی کا عطیہ بھی ہے اور جدید ترین مغربی رجحانات کا فیضان بھی، جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کی بدولت انسان کی عظمت کے پھریرے ماہ و انجم پر اُڑنے لگے ہیں، تو جدید معاشیات اور جدید تہذیب کے پیراڈاکس کی وجہ سے اس کے پاؤں تلے کی زمین بھی سرکنے لگی ہے، معاشرتی اقدار مسخ ہو رہی ہیں، اخلاقی اصول اور انسانی رشتے ختم ہو رہے ہیں اور بے بسی و بے چارگی کا

خوشبو کی مدد لہر سے چلنے لگے جو زخم
پھولوں کو اپنا بندِ قبا کھولنا پڑا

احساس بھی بڑھتا جا رہا ہے۔ حساس لیکن کم حوصلہ افراد عقل و شعور کی روشنی میں صورتِ حال کا تجزیہ کرنے اور سماجی عمل سے اس پر قابو پانے کی کوشش کے بجائے زندگی کی طرف منفی رویہ اختیار کرنے لگے ہیں۔ ہمارے بعض جدید شعراؔ کے یہاں یہ منفی رویہ نمایاں نظر آتا ہے۔ ان کا ذہنی سفر ذات سے کائنات کی طرف نہیں بلکہ کائنات سے ذات کی طرف ہے۔ وجود کو ایک جبر اور آشوب سمجھنے کے رجحان نے مریضانہ انفرادیت پیدا کر دی ہے، جدید تر غزل بھی اسی صورتِ حال سے دوچار ہے۔ نئی نفسی کیفیات اور نئے ذہنی رویے کی بوقلموں لیکن متضاد اور مزاجی نوعیتوں کے بھرپور اظہار کے لئے غزل کا سانچہ ناکافی ثابت ہوا تو نئی علامتیں اور نئے طرزِ اظہار تراشے گئے۔ لیکن صہبائے خام کی تیزی و تندی سے آبگینہ پگھلنے لگا، زبان کے اصول و ضوابط کو تخیل دشمن سمجھ کر تخیل کی معروضیت ہی کو ختم کر دیا گیا اور ابلاغ کو "قاری" کا مسئلہ سمجھ لیا گیا، اور اب تو "مریضانہ" انفرادیت، لاادریت، ادعائی مجہولیت، ژولیدہ انفعالیت، نیز سماجی معنویت سے عاری پیش افتادہ سطحی اور سپاٹ واقعیت زدگی، مسلّمات سے انحراف اور ان کی تردید کو بھی جدیدیت سے تعبیر کرنے کا فیشن عام ہو گیا۔ ایسے پُرآشوب ادبی ماحول میں کسی شعری مجموعے کا تعارف یا پیش لفظ لکھنا کم از کم میرے لئے دُشوار ضرور ہے۔

"بندِ قبا" نوجوان شاعر محسنؔ نقوی کی غزلیات، قطعات اور فردیات پر مشتمل ہے۔ محسنؔ بنیادی طور پر غزل کا شاعر ہے۔ اِسی لئے اُس کے قطعات میں بھی تغزل کی کارفرمائی زیادہ نظر آتی ہے۔ اس کی غزلوں کے جائزے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے غزل کے "طریقۂ راسخہ" کو یکسر نظر انداز نہیں کیا ہے، بلکہ شاید کلاسیکی غزل کی مشق سے جدید غزل کی منزل پر پہنچا ہے، وہ کلاسیکی غزل کی لفظیات (Diction) کو کلیتاً رد نہیں کرتا، اُس کے یہاں نقشِ قدم، فصلِ گل، فصلِ خزاں، زنجیر بہ پا، کفِ آئینہ گر، نذرِ وفا، رنگِ حنا، نغمۂ جاں، پیمانہ بکف، شامِ غریباں، حُسنِ بتاں، اندازِ تغافل، آبلہ پائی جیسی ترکیبیں نظر آتی ہیں تو جدید غزل کا "ڈکشن" بھی بہت زیادہ ملتا ہے۔ یہ "ڈکشن" تقلیدی نہیں ہے بلکہ اس کے شعری میجانات سے ہم آہنگ ہے۔ وہ اردگرد کے ماحول سے تشبیہات اور استعارات اخذ کرتا ہے۔ اسی لئے اُس کی غزل میں "عجمیت" کے مقابلے پر زیادہ مانوس فضا ملتی ہے۔

محسنؔ کی غزل کی نمایاں خصوصیت توازن و اعتدال ہے، اُس نے جدیدیت کے شوق میں غزل کی روایات کو نظر انداز نہیں کیا۔ مترنم زمینوں کے انتخاب اور مُردّف غزلوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ جدید تر شعراؔ کی طرح غنائیت سے بے نیاز نہیں، وہ غزل کو غنائی شاعری سمجھتا ہے اور اُس کے غنائی تقاضوں سے عہدہ برآ ہونا چاہتا ہے۔ وہ غزل کے مزاج سے خُوب واقف ہے۔ اسی لئے غزل کو نیا لہجہ اور نیا آہنگ بخشنے کی دھن میں مضحک لسانی تجربے نہیں کرتا، وہ غزل میں لہجے کی نرمی و شگفتگی اور شخصیت کے پُرخلوص اظہار کا قائل نظر آتا ہے۔

محسنؔ کی غزلوں میں موضوعات کا تنوع ملتا ہے۔ اِن موضوعات کا تعلق اردگرد کے مشاہدوں اور تجربوں سے ہے، اُن میں فطری گہرائی و گیرائی کے ساتھ ساتھ زندگی کی چھوٹی چھوٹی حقیقتیں اور معصوم سی صداقتیں بھی ہیں، اُن میں کچھ نہ کچھ سماجی معنویت ہے، اِن تجربوں میں عشق کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ محسنؔ نے حُسن و عشق کی مختلف کیفیتوں کو پیش کیا ہے، لیکن یہ کیفیتیں کلاسیکی غزل سے مختلف اور جدید طرزِ احساس کی مظہر ہیں۔ محسنؔ کے نزدیک عشق کو ضرور اہمیت حاصل ہے۔ لیکن وہ پُوری زندگی پر حاوی نہیں ہے، بلکہ زندگی کے گوناگوں تجربوں میں سے صرف ایک تجربہ ہے، اور بس! گویا وہ عشق کو لمحاتی صداقت

سمجھتا ہے۔ ایک فرد کی دُوسرے فرد کی طرف کشش، ایک خواہش، احساسِ جمال کا تقاضا، جس پر دُوسرے تجربوں کو قربان نہیں کیا جا سکتا، اور جسے نظر انداز بھی کیا جا سکتا ہے۔ حسبِ ذیل مثالوں سے محسنؔ کے اس نظریہ کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

اب اس کو کھو رہا ہوں بڑے اشتیاق سے — وہ جس کو ڈھونڈنے میں زمانہ لگا مجھے

تم یاد کرو پہلی ملاقات کی باتیں — میں پہلی ملاقات ذرا بھول گیا ہوں

کچھ وہ بھی کم آمیز تھا، تنہا تھا، حسیں تھا — کچھ میں بھی مخل ہو نہ سکا اس کے شکوں میں

کب تک میرے تصور میں پھرے گا چُپ چاپ — تجھ سے ممکن ہو تو کچھ دیر بھلا دے مجھ کو

تو بھی اپنے جرم کی تعزیر پر حیرت نہ کر — میں بھی اپنے گھر کی بربادی پہ شرمندہ نہیں

مہتاب کی کرنوں سے سُلگتا ہُوا چہرہ — خوابوں میں بھی اندازِ حیا مانگ رہا ہے

دل بھی گستاخ ہو چلا تھا بہت — شُکر ہے آپ بے وفا نکلے

مرے مزاج کے دشمن مری شکست بھی دیکھ — بصد خلوص تری لے میں ڈھل رہا ہوں میں

تیری زلفیں بھی پریشاں ہیں مرے دل کی طرح — تو بھی کچھ دیر مرے ساتھ رہا ہو جیسے

محسنؔ نقوی مریضانہ دروں بینی کا قائل نظر نہیں آتا، وہ سماجی معنویت کو کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کرتا، اس کے اکثر اشعار میں زندگی اور زندگی آموز رجحانات ملتے ہیں۔ وہ ترقی پسند تحریک کے زیرِ اثر کہی ہوئی غزلوں کے نئے شعور و آہنگ سے مکمل طور پر آشنا ہے۔

مزاجِ عظمتِ آدم کی بات ہے ورنہ — زمیں کا ظلم ترے آسماں سے کم تو نہ تھا

یہ اندھیرا یہ روشنی کیا ہے — آؤ سوچیں کہ زندگی کیا ہے

امیرِ شہر نے الزام دھر دیے ورنہ — غریبِ شہر کچھ اتنا گناہ گار نہ تھا

شہرِ دل پر مسلط رہیں ظُلمتیں — دشتِ ہستی میں سُورج اگائے گئے

کیا غضب ہے کہ جلتے ہُوئے شہر میں — بجلیوں کے فضائل سُنائے گئے

بیوں کو بھی کے گنہ گار گفتگو ٹھہرو! — اسی کا نام ہے دُنیا، اسی کا نام سماج

خود اپنے فکر کی پستی پہ دسترس ہے مجھے — بلندیوں کا خدا ان کے مجھ کو یوں نہ پکار

پھول مانگو تو زخم دیتے ہیں — اب یہی رسمِ دوستاں ٹھہری

کس درجہ حسیں تھا مرے ماحول کا غم بھی — میں بھول گیا آپ کا اندازِ ستم بھی

اب محسنؔ نقوی کا احساس کچھ اور تیز ہو جاتا ہے۔

حق بات پہ کٹتی ہیں تو کٹنے دو زبانیں — جی لیں گے مرے یار باندازِ دگر بھی

کیوں درد کی قندیل جلائے کوئی دل میں — حالات کی تلخی تو زیادہ بھی ہے کم بھی

آسانیوں کی بات نہ کر اے حریفِ زیست — ان مشکلوں کو دیکھ جو رستے سے ہٹ گئیں

میں فکر کے مہتاب پہ پہنچا تو زمیں پر — مجھ کو کئی ذرّے مہ و اختر نظر آئے

سوکھے ہوئے پتوں کو اڑانے کی ہوس میں — آندھی نے گرائے کئی سرسبز شجر بھی

کس کی دہلیز پہ جھکیں محسنؔ — جتنے انساں تھے سب خدا نکلے

وہ عام جدید شعرا کی طرح واقعیت زدگی اور ماحول کی ترجمانی کی دھن میں عام اشیائے ضرورت کی فہرست تیار کرنا غزل کا منصب نہیں سمجھتا بلکہ ان چھوٹی چھوٹی حقیقتوں کو اپنا موضوع بناتا ہے، جن میں زندگی آمیز سماجی معنویت ہے، اس کا مخصوص لب و لہجہ اس کے ذہنی خلوص کی نشان دہی کرتا ہے، وہ جدید شاعر ہے، مگر اس کا انداز جدید شعرا سے جدا ہے۔ اس کے انداز میں رنگینی اور رعنائی ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ گلشن میں پھول کھلتے رہے — یہ حادثہ ہے کہ دامن میں کوئی تار نہ تھا

جدید غزل گو شعرا کی طرح محسنؔ نقوی بھی مناظرِ قدرت کو علامتی رنگ دینے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر اس کوشش میں بھی وہ اپنا ایک خاص انداز رکھتا ہے۔

پتوں پہ جم گئی ہے کئی موسموں کی گرد — شاخوں کا جسم لپٹا ہُوا چادروں میں ہے

خوشبو کی سرد لہر سے جلنے لگے جو زخم — پھولوں کو اپنا بندِ قبا کھولنا پڑا

؎ آندھی چلی تو دُھوپ کی سانسیں اُکھڑ گئیں عُریاں شجر کے جسم سے شاخیں لپٹ گئیں

؎ ہستی کے مُعجزے رہے مرہونِ کارواں پانی کی خواہشیں تھیں کہ لہروں میں بٹ گئیں

مُحسؔن بھُولے سے بھی "اینٹی غزل" یا خارجی غزل کے قریب نہیں پھٹکتا، اُس کے ذوقِ شعری سے یہ توقع بھی نہیں، اس کے طرزِ احساس، اندازِ فکر اور پیرایۂ اظہار میں عصری عوامل کی کار فرمائی ضرور ہے۔ لیکن اس کی غزلوں میں منفی رجحانات بار نہیں پاتے اس کے ہاں غزل کا مثبت پہلو، موضوعاتی تنوع، پُرخلوص سادگی اور رمزیاتی و ایمائی طرزِ احساس سبھی کچھ موجود ہے، البتہ اُس نے ایک آدھ شعر منفی پہلو کو مدِّنظر رکھتے ہُوئے بھی کہہ لیا ہے۔

؎ خُوشی سے چھین لے میری متاعِ فکر مگر مرے بدن سے یہ ملبوسِ عافیت نہ اُتار

"ملبوسِ عافیت" کو "متاعِ فکر" سے زیادہ عزیز رکھنا نئی نسل کے ایک خاص طبقے کے عافیت کوشش ذہنی رویے پر دلالت کرتا ہے۔

مجموعی طور پر مُحسؔن نئی نسل کا ایک مُنفرد شاعر ہے، اور اُس کی غزلوں میں جدید تر فکر کے مثبت پہلوؤں کی نمائندگی یعنی موضوعاتی تنوع، سماجی معنویت، پُرخلوص سادگی، لہجے کی نرمی اور شگفتگی، اس کے فنی ارتقاء کی بیّن دلیل ہے۔

خلیل صدیقی
صدر شعبۂ اُردو۔ گورنمنٹ کالج مُلتان،
(۱۹۶۹ء)

آغازِ سفر

"بندِ قبا" کے اشعار میرے اُن دِنوں کی یادگار ہیں، جب میں گورنمنٹ کالج، بوسن روڈ مُلتان میں ایم۔ اے اُردُو کا طالبِ علم تھا۔ کالج کی فضا، یاروں کی ٹولیاں، جذباتی زندگی کا اُجلا سا بانکپن، ہلکی پھُلکی ادبی شرارتیں، چھوٹی چھوٹی رنجشیں، خُوبصورت ادبی جھمیلے، چُبھتے ہُوئے مشاعروں کی بزم جھم — سارے مُلتان میں ہم چار پانچ دوستوں کی ٹکڑی ادبی ہنگاموں کی جان سمجھی جاتی تھی۔ اِن میں انوار احمد، فخر بلوچ، عبدالرّؤف — اور اصغر ندیم سیّد شامل تھے۔ ہم دوستوں کی محفل شام کو ایک کیفے میں جمتی اور رات گئے تک ہم ادبی معرکوں کی باتیں سوچتے رہتے۔ مُلتان شہر کے بعض شُعراء سے ہماری ادبی موسیقی کے کومل سُر یُونہی ٹکراتے رہتے۔ اِس ہم نے مِل کر "بندِ قبا" کی اشاعت کا منصُوبہ سوچا۔ فاقہ مستی اور تنگدستی کا دَور تھا۔ مِل مِلا کر ہم نے آپس میں چندہ جمع کیا، اور "بندِ قبا" مکمل خود اعتمادی سے بازار میں لے آئے۔ اِس کے اشعار نے اُس وقت ادبی فضا میں اپنی استطاعت بھر ارتعاش پیدا کیا، مُلک بھر کے ادبی جریدوں میں تبصرے ہُوئے۔ ایک ہزار کتاب توقع سے پہلے اُٹھ گئی، اور سب مطمئن ہو کر اِس

کی آمدنی سے ایک دوسرے کی دعوتیں کرتے رہے اور پھر میں نے "بندِ قبا" کو بھلا دیا۔ یہاں تک کہ میرے اپنے پاس بھی اِس کا کوئی نسخہ محفوظ نہ رہا۔ یہ تیرہ سال پہلے کی بات ہے۔ جب میرا نام بکتا تھا نہ کلام —— اِس کے بعد ۷۸ء میں میرے کلام کا دُوسرا مجموعہ "برگِ صحرا" مارکیٹ میں آیا۔ یہ مجموعہ "ماورا پبلشرز" کے زیرِ اہتمام شائع ہُوا، اور اس کی اشاعت میں میرے دیرینہ دوست خالد شریف نے اپنے حُسنِ خیال کی تمام رعنائیوں کی دھنک بکھیر کر رکھ دی۔ فی الحقیقت "برگِ صحرا" ادبی دُنیا میں میری پہچان کا وسیلہ ثابت ہوا اور اِس کا کریڈٹ مُجھ سے کہیں زیادہ خالد شریف کو جاتا ہے۔ جس نے اس کی خُوبصورتی میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔

جنوری ۸۲ء میں میرے مذہبی قصائد اور منقبت پر مشتمل مجموعہ "موجِ ادراک" "کرن پبلشرز" لاہور کی جانب سے میرے بھائی اور دوست سیّد اختر جمیل کاظمی نے شائع کیا۔ یہ مجموعہ اپنی معنویت، ڈکشن اور ہیئت کے اعتبار سے پہلے دونوں مجموعوں سے ہٹ کر شائع ہُوا، اور اسے "کرن پبلشرز" کا حُسنِ انتظام کہیے یا میرے قارئین کی محبّت، کہ یہ مجموعہ مارکیٹ میں آنے سے پہلے افتتاحی تقاریب ہی میں اختتام کو پہنچ گیا اور دوسرے ایڈیشن کی کتابت دوبارہ شروع ہو چکی ہے۔

اب میری شاعری کے نقّادوں کو میرے فکر و فن کو پرکھنے کی ضرورت محسوس ہُوئی تو "بندِ قبا" کا تقاضہ بھی شروع ہُوا، جب کہیں مجھے خیال آیا کہ میرے پاس تو اِس کی ایک بھی کاپی موجود نہیں، اُدھر یار لوگوں کا اصرار کہ "بندِ قبا" کا دُوسرا ایڈیشن شائع کیا جائے۔ ممنون ہوں کہ میرے جگری یار پروفیسر اسلم عزیز درّانی (جو میری شاعری کے بچپن کی تمام تر حرکتوں کے عینی شاہد ہیں) کے پاس "بندِ قبا" کا ایک نسخہ موجود تھا، سو انہوں نے پندرہ دنوں کے لئے یہ نسخہ برادرم خالد شریف کو مستعار دیا۔ اور یوں اب اِس کا دُوسرا ایڈیشن آپ کے سامنے ہے۔

"بندِ قبا" کے بارے میں غالباً میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ اِس کے اشعار میری شاعری کے پہلے باب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اِن اشعار میں میرے اُس دور کے مُنہ زور جذبوں کی "ساون بسندھ روانی" کا سُراغ ملتا ہے۔

خُدا کرے آپ کو اِس کے اشعار پسند آجائیں اور اگر کوئی شعر آپ کے معیار پر پورا نہ اُترے تو بھی میں معذرت خواہی کا عادی نہیں، کیوں کہ مُجھے شعر کہنے اور آپ کو اپنی رائے دینے کا مکمّل حق پہنچتا ہے۔

محسن نقوی

۱۶ ؍ جنوری ۱۹۸۴ء، لاہور

تازہ دم شاعر

بقول آتش اگر غزل گوئی "کارِ مرصع سازاں" ہے تو "بندِ قبا" کا ذہین اور تازہ دم شاعر اُردو غزل کے اِس دَور میں اِس عظیم کام کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتا نظر آتا ہے، جو درحقیقت لب و لہجہ اور اسلُوب کے اعتبار سے غزل کی شکست و ریخت کا دَور ہے۔ موجودہ دَور کا جدید تر شاعر جدّت اور انوکھے پن کی انتہاؤں کو پا لینے کے لئے غزل کے ہرے بھرے، شاداب اور سدا بہار مرغزاروں سے نکل کر آسیب زدہ کھنڈروں کی طرف چلا گیا ہے اور نتیجتاً ایک ایسی زبان (بحر و قافیہ کی حدود میں رہ کر) بولنے لگا ہے جو ہزیان کی سی کیفیت کی حامل ہے۔ پہلے آبگینۂ غزل "تندیٔ صہبا" سے پگھل تو سکتا تھا مگر چٹخ کر پاش پاش ہو جانے کی نوبت نہیں آئی تھی، آج غزل اِس المیہ سے دوچار ہے۔

"بندِ قبا" کے خوشگو شاعر محسنؔ نقوی نے اپنے تازہ خون اور اپنی فطری شاعرانہ صلاحیتوں کے زور پر غزل کی آبیاری کے راستے پر اپنے سفر کا آغاز کیا ہے۔ اُس کا رختِ سفر اُس کے اوّلین شعری مجموعہ "بندِ قبا" کے خوبصورت صفحات پر پھیلا ہُوا ہے۔ جس پر ایک نظر ڈالنے سے پہلا تاثر یہی پیدا ہوتا ہے، کہ محسنؔ نقوی نے اپنی کم عمری کے باوصف اپنے تخلیقی سفر کا آغاز بڑے اعتماد کے ساتھ اور بڑی شان سے کیا ہے، اور اِس آغاز کے ساتھ ہی وہ یقیناً اُردو کے اُن جدید شعراً کی صف میں شامل ہو گیا ہے، جو اپنے فن اور انداز کی زندۂ جاوید قدروں کے ساتھ ہماری شاعری کی تاریخ کا ناقابلِ فراموش حصہ بن گئے ہیں۔

محسنؔ نقوی نے اسلُوب کے اعتبار سے غزل کی اعلیٰ کلاسیکی قدروں سے اکتسابِ فیض کیا ہے اور تجربات و خیالات کے اعتبار سے خُود زندگی سے، زندگی کی ہر مَوجِ رواں سے ــــ زندگی کی تمام تر خوشیوں اور شادمانیوں سے، محرومیوں اور غم ناکیوں سے، اِس لئے اِس کے تجربات جو اس نے اپنی غزل میں سموئے ہیں، محبوب کے "بندِ قبا" سے "تسخیرِ ماہتاب" تک کی لامحدود دُنیاؤں میں پھیلے ہُوئے ہیں۔ "بندِ قبا" کے جواں فکر شاعر نے اپنی وسعتِ خیال کی بدولت اپنے مولد (شہر ڈیرہ غازی خان) کے بارے میں اُس پُرانے مروجہ نظریہ پر ایک ضربِ کاری لگائی ہے جو اِس شہر کی "پسماندگی" کے بارے میں قائم کیا جاتا ہے۔ محسنؔ نقوی اپنے وطن کی دھرتی کا نکھار ہے اور اُس کا فن اُس کے علاقے کی آبرو ۔ رفیق خاور جسکانی

لاہور
۱۹۶۹ء

❁

اے فکرِ کم نشاں مری عظمت کی داد دے
تسلیم کر رہا ہوں میں تیرے وجود کو

اے شورِ حرف و صوت مجھے بھی سلام کر
توڑا ہے مَیں نے شہرِ غزل کے جمود کو

اے وسعتِ جنوں مری جرأت پہ ناز کر
مَیں نے بھلا دیا ہے رسوم و قیود کو

❁

ہر شاخِ سر بریدہ نقیبِ بہار تھی
فصلِ خزاں بھی اب کے بڑی باوقار تھی

ہر سنگِ میل پر تھیں صلیبیں گڑی ہوئی
شاید وہ رہ گذار تری رہ گذار تھی

مَیں تیری آہٹوں پہ توجہ نہ کر سکا
میری حیات ۔ وقفِ غمِ انتظار تھی

آخر سکوں ملا اُسے دشتِ نگاہ میں
وہ آرزو جو دل میں غریب الدیار تھی

مجھ کو تری قسم، تری خوشبو کے ساتھ ساتھ
میری صدا بھی دوشِ ہوا پر سوار تھی

میں چپ رہا کہ زہر یہی مجھ کو راس تھا
وہ سنگ لفظ پھینک کے کتنا اداس تھا

اکثر مری قبا پہ ہنسی آ گئی جسے
کل مل گیا تو وہ بھی دریدہ لباس تھا

میں ڈھونڈتا تھا دور خلاؤں میں ایک جسم
چہروں کا اک ہجوم مرے آس پاس تھا

تم خوش تھے پتھروں کو خدا جان کے مگر
مجھ کو یقین ہے وہ تمہارا قیاس تھا

بخشا ہے جس نے روح کو زخموں کا پیرہن
محسنؔ وہ شخص کتنا طبیعت شناس تھا

سایۂ گل سے بہر طور جدا ہو جانا
راس آیا نہ مجھے موجِ صبا ہو جانا

اپنا ہی جسم مجھے تیشۂ فرہاد لگا
میں نے چاہا تھا پہاڑوں کی صدا ہو جانا

موسمِ گل کے تقاضوں سے بغاوت ٹھہرا
قفسِ غنچہ سے خوشبو کا رہا ہو جانا

قصرِ آواز میں اِک حشر جگا دیتا ہے
اُس حسیں شخص کا تصویر نما ہو جانا،

راہ کی گرد سہی، مائلِ پرواز تو ہوں،
مجھ کو آتا نہیں نقشِ کفِ پا ہو جانا،

زندگی تیرے تبسّم کی وضاحت تو نہیں!
موجِ طوفاں کا اُبھرتے ہی فنا ہو جانا

کیوں نہ اُس زخم کو میں پھول سے تعبیر کروں
جس کو آتا ہو ترا "بندِ قبا" ہو جانا

اشکِ کم گو! تجھے لفظوں کی قبا گر نہ ملے
میری پلکوں کی زباں سے ہی ادا ہو جانا،

قتل گاہوں کی طرح سُرخ ہے رستوں کی جبیں
اِک قیامت تھا مرا آبلہ پا ہو جانا،

پہلے دیکھو تو سہی اپنے کرم کی وسعت
پھر بڑے شوق سے تم میرے خدا ہو جانا

بے طلب دَرد کی دَولت سے نوازو مجھ کو
دِل کی توہین ہے مرہونِ دُعا ہو جانا،

میری آنکھوں کے سمندر میں اُترنے والے
کون جانے تری قسمت میں ہے کیا ہو جانا!

کِتنے خوابیدہ مناظر کو جگائے محسنؔ!
جاگتی آنکھ کا پتھرایا ہُوا ہو جانا!

✿

میں جلوۂ صد رنگ ہُوں یا موجِ صبا ہُوں؟
احساس کی چوکھٹ پہ کھڑا سوچ رہا ہُوں

اِک جام تو پی لینے دے اے گردشِ دوراں
پھر تجھ کو بتاتا ہوں کہ میں کون ہُوں کیا ہُوں؟

تُم یاد کرو پہلی مُلاقات کی باتیں
مَیں پہلی مُلاقات ذرا بُھول گیا ہُوں

سَو بار زمانے نے مجھے زہر دیا ہے
سَو بار میں سچ بول کے سُقراط بنا ہُوں

اے دوست زمانے کی عنایات پہ مت جا
تو خاک بسر ہے تو میں زنجیر بپا ہُوں

مانوسِ شبِ غم جو نہیں تھا مرا احساس
ہلکی سی اِک آہٹ پہ بھی اب چونک پڑا ہُوں

ہر اشک یہاں رُود کشِ تنویرِ سحر تھا
ہر زخم یہ کہتا ہے ترا بندِ قبا ہُوں

اکثر اسے پا لینے کی اُمید میں مُحسنؔ
خُود اپنے لئے راہ کی دیوار بنا ہُوں

❁

آہٹ سی ہوئی تھی نہ کوئی برگ ہلا تھا
میں خود ہی سرِ منزلِ شب چیخ پڑا تھا

لمحوں کی فصیلیں بھی مرے گرد کھڑی تھیں
میں پھر بھی تجھے شہر میں آوارہ لگا تھا

تُو نے جو پکارا ہے تو بول اٹھا ہوں ورنہ
میں فکر کی دہلیز پہ چپ چاپ کھڑا تھا

پھیلی تھیں بھرے شہر میں تنہائی کی باتیں
شاید کوئی دیوار کے پیچھے بھی کھڑا تھا

اب اس کے سوا یاد نہیں جشنِ ملاقات
اک ماتمی جگنو مری پلکوں پہ سجا تھا

یا بارشِ سنگ اب کے مسلسل نہ ہوئی تھی
یا پھر میں ترے شہر کی رہ بھول گیا تھا

اک جلوۂ محجوب سے روشن تھا مرا ذہن
وجدان یہ کہتا ہے وہی میرا خدا تھا

ویراں نہ ہو اس درجہ کوئی موسمِ گل بھی
کہتے ہیں کسی شاخ پہ اک پھول کھلا تھا

اک تُو کہ گریزاں ہی رہا مجھ سے بہر طور
اک میں کہ ترے نقشِ قدم چوم رہا تھا

دیکھا نہ کسی نے بھی مری سمت پلٹ کر
محسنؔ میں بکھرتے ہوئے شیشوں کی صدا تھا

✿

پھیلے گی بہر طور شفق، نیلی تہوں میں
قطرے کا لہو بھی ہے سمندر کی رگوں میں

مقتل کی زمیں صاف تھی آئینہ کی صورت
عکسِ رُخِ قاتل تھا ہر اک قطرۂ خوں میں

مت پوچھ مری چشمِ تحیّر سے کہ مجھ کو
کیا لوگ نظر آئے ہیں دشمن کی صفوں میں

کچھ وہ بھی کم آمیز تھا، تنہا تھا، حسیں تھا
کچھ میں بھی مکمل ہو نہ سکا اس کے نگوں میں

ہر صبح کا سورج تھا مرے سائے کا دشمن
ہر شب نے چھپایا ہے مجھے اپنے پروں میں

اب اہلِ خرد بھی ہیں لہو سنگِ جنوں سے
کیا رسم چلی شہر کے آشفتہ سروں میں

جو سجدہ گہِ ظلمتِ دوراں رہے محسنؔ،
اُتری نہ کوئی اندھی کرن ایسے گھروں میں

منظر یہ دِل نشیں تو نہیں دِل خراش ہے،
دوشِ ہَوا پہ ابرِ برہنہ کی لاش ہے

لہروں کی خامشی پہ نہ جائے مزاجِ دل
گہرے سمندروں میں بڑا ارتعاش ہے

سوچوں تو جوڑ لوں کئی ٹوٹے ہوئے مزاج
دیکھوں تو اپنا شیشۂ دِل پاش پاش ہے

دِل وہ غریبِ شہرِ وفا ہے کہ اب جسے
تیرے قریب رہ کے بھی تیری تلاش ہے

آنسو مرے تو خیر وضاحت طلب نہ تھے
تیری ہنسی کا راز بھی دُنیا پہ فاش ہے

میرا شعور جس کی جراحت سے چُور تھا
تیرے بدن پہ بھی اسی غم کی خراش ہے

محسنؔ تکلفات کی غارت گری نہ پُوچھ،
مُجھ کو "غمِ وفا"، تجھے فکرِ معاش ہے!

❀

اب کے اِس طور سے آنچل کی ہوا دے مجھ کو
جاگتے ذہن کی میراث بنا دے مجھ کو،

جو مرے درد کی آواز سمجھ سکتا ہو،
لے زمانے کوئی ایسا بھی خدا دے مجھ کو

مَیں نے سمجھا ہے تجھے منصفِ دوراں اکثر
میری ناکردہ گناہی کی سزا دے مجھ کو،

مَیں تری راہ میں اک سنگِ سُبک وزن تو ہوں
دیر کیا لگتی ہے ٹھوکر سے ہٹا دے مجھ کو

کب تلک میرے تصوّر میں پھرے گا چُپ چاپ
تجھ سے ممکن ہو تو کچھ دیر بُھلا دے مجھ کو

یہ الگ بات کہ او جھل ہوں نظر سے ورنہ،
میں تیرے پاس ہی رہتا ہوں صدا دے مجھ کو

مَیں دھڑکتا ہوں ترے سینے میں دل کی صورت
اے مرے دشمنِ جاں، اور دعا دے مجھ کو،

اُف شبِ غم کا وہ ٹھہرا ہوا لمحہ محسن
جب مرے وہم کی آہٹ بھی جگا دے مجھ کو

کس نے سنگِ خامشی پھینکا بھرے بازار پر؟
اک سکوتِ مرگ طاری ہے در و دیوار پر!

تُو نے اپنی زُلف کے سائے میں افسانے کہے
مُجھ کو زنجیریں ملی ہیں جراَتِ اظہار پر

شاخِ عُریاں پر کھِلا اک پھول اس انداز سے
جس طرح تازہ لہو چمکے نئی تلوار پر

سنگ دل احباب کے دامن میں رسوائی کے پھُول
مَیں نے دیکھا ہے نیا منظر فرازِ دار پر

اب کوئی تہمت بھی وجہ کربِ رسوائی نہیں
زندگی اک عُمر سے چُپ ہے ترے اصرار پر

مَیں سرِ مقتل حدیثِ زندگی کہتا رہا
اُنگلیاں اُٹھتی رہیں محسنؔ مرے کردار پر

طے کر نہ سکا زیست کے زخموں کا سفر بھی
حالانکہ مرا دل تھا شگوفہ بھی شرر بھی

اترا نہ گریباں میں مقدر کا ستارا
ہم لوگ لُٹاتے رہے اشکوں کے گُہر بھی

حق بات پہ کٹتی ہیں تو کٹنے دو زبانیں
جی لیں گے مرے یار باندازِ دگر بھی

حیراں نہ ہو آئینہ کی تابندہ فضا پر
آ دیکھ ذرا زخمِ کفِ آئینہ گر بھی

سُوکھے ہُوئے پتّوں کو اُڑانے کی ہوس میں
آندھی نے گرائے کئی سرسبز شجر بھی

وہ آگ جو پھیلی مرے دامن کو جلا کر
اُس آگ نے پھُونکا مرے احباب کا گھر بھی

محسنؔ یُونہی بدنام ہُوا شام کا ملبوس
حالانکہ لہُو رنگ تھا دامانِ سحر بھی

❁

مَیں زمانے کی روایت کا نمائندہ نہیں،
میری دنیا میں کوئی امروز و آئندہ نہیں

تُو بھی اپنے جُرم کی تعزیر پہ حیرت نہ کر،
میں بھی اپنے گھر کی بربادی پہ شرمندہ نہیں

مَیں تو اُس کے دل کی دھڑکن بن گیا ہوں بارہا
وہ حریفِ جاں سمجھتا ہے کہ میں زندہ نہیں

یا ہوائے دہر میں پنہاں ہے طوفانوں کا زور
یا فصیلِ جسم کے آثار پائندہ نہیں

آنسوؤں کی لہر میں بہتا ہوا موتی تو ہوں
کیا ہوا، گر آپ کی صورت میں تابندہ نہیں

شکر ہے راس آ گیا مجھ کو قناعت کا جہاں
شکر ہے مَیں قصرِ سلطانی کا کارندہ نہیں

یُوں مرے احباب ملتے ہیں مجھے محسن یہاں
جیسے مَیں اس شہرِ ناپُرساں کا باشندہ نہیں

❀

موسمِ گُل بھی نہیں تُو بھی مرے پاس نہیں
جانے کیوں پھر بھی جنوں وقفِ غمِ یاس نہیں

تو وہ ظالم ہے جو اپنوں کو بھی اغیار کہے
میں وہ پاگل جسے دشمن کا بھی احساس نہیں

شہرِ دل مجھ کو نہ خوش رہنے کے آداب سکھا
کیا کروں مجھ کو تری آب و ہوا راس نہیں

ذہن اب فکر کی سولی پہ سجائے گا کسے؟
کوئی عنواں بھی سرِ مقتلِ احساس نہیں

جانِ میخانہ ہے وہ رندِ بلا نوش یہاں
تشنہ لب رہ کے جو کہتا ہے مجھے پیاس نہیں

سوچ کر اس کو سجا اپنے حسیں آنچل پر
میرا آنسو ہے کوئی ریزۂ الماس نہیں

ایک وہ دن کہ ترا جسم تھا میراث مری
ایک یہ دن کہ ترا غم بھی مرے پاس نہیں

❁

منسوب تھے جو لوگ مری زندگی کے ساتھ
اکثر وہی ملے ہیں بڑی بے رخی کے ساتھ

یوں تو میں ہنس پڑا ہوں تمہارے لئے مگر
کتنے ستارے ٹوٹ پڑے اِک ہنسی کے ساتھ

فرصت ملے تو اپنا گریباں بھی دیکھ لے
اے دوست یوں نہ کھیل مری بے بسی کے ساتھ

مجبوریوں کی بات چلی ہے تو مے کہاں
ہم نے پیا ہے زہر بھی اکثر خوشی کے ساتھ

چہرے بدل بدل کے مجھے مل رہے ہیں لوگ
اتنا بُرا سلوک مری سادگی کے ساتھ؟

اِک سجدۂ خلوص کی قیمت فضائے خُلد؟
یارب نہ کر مذاق مری بندگی کے ساتھ

محسن کرم کی لے بھی ہو جس میں خلوص بھی،
مجھ کو غضب کا پیار ہے اُس دشمنی کے ساتھ

❁

صحرا میں بھی خوشبوئے صبا مانگ رہا ہے
دیوانہ بڑے شوق سے کیا مانگ رہا ہے

یارو! دلِ وحشی کو سنبھالو کہ سرِ بزم
وہ دشمنِ جاں نذرِ وفا مانگ رہا ہے

جاگی ہوئی مخلوق ہے سورج کی عناں گیر
سویا ہوا انسان دعا مانگ رہا ہے

آ دیکھ مرے ذہن کی آوارہ مزاجی!
ظالم ترے آنچل کی ہوا مانگ رہا ہے

مہتاب کی کرنوں سے سلگتا ہوا چہرہ
خوابوں میں بھی اندازِ حیا مانگ رہا ہے

انصاف کی زنجیر کو چھیڑو نہ ابھی سے
دیوانہ ابھی اذنِ صدا مانگ رہا ہے

محسن مرا وجدان بنامِ کفِ دلدار
ہر زخم سے کچھ رنگِ حنا مانگ رہا ہے

❁

تری آنکھ کو آزمانا پڑا
مجھے قصۂ غم سنانا پڑا

غمِ زندگی تیری خاطر ہمیں
سرِ دار بھی مسکرانا پڑا

حوادث کی شب اتنی تاریک تھی
جوانی کو ساغر اٹھانا پڑا

مرے دشمنِ جاں! ترے واسطے
کئی دوستوں کو بھلانا پڑا

زمانے کی رفتار کو دیکھ کر
قیامت پہ ایمان لانا پڑا

جنھیں دیکھنا بھی نہ چاہے نظر
اُنھیں سے تعلّق بڑھانا پڑا

کئی سانپ تھے قیمتی اس قدر
اُنھیں آستیں میں چھپانا پڑا

ہواؤں کے تیور جو برہم ہوئے
چراغوں کو خود جھلملانا پڑا

❁

عدو سے بڑھنے لگی بدگمانی مری
آپ نے چھیڑ دی پھر کہانی مری

ایک پل کو ٹھہر جا غمِ دوجہاں
مشورہ چاہتی ہے جوانی مری

سنگ دل دوستوں کے حسیں شہر میں
کام آئی بہت سخت جانی مری

خلقتِ شہر دہرائے گی دیر تک
نغمۂ جاں ترا، نوحہ خوانی مری

چیخ اُٹھے بام و در، بول اُٹھی چاندنی
جب بھی حد سے بڑھی بے زبانی مری

کوئی فسونِ طرب، زیست کے سفر میں نہیں
تمہارا عکس بھی آئینۂ نظر میں نہیں

شبِ وفا کا مسافر بھٹک نہ جائے کہیں
چراغِ اشک بھی دامانِ رہگذر میں نہیں

گراں نہ گزرے تو میری شبِ غریب سے مانگ
وہ روشنی وہ کرن جو تری سحر میں نہیں

زمیں کی پست فضاؤں میں رہ سکو تو رہو
کہ آسماں کی رفعت تو میرے گھر میں نہیں

تو پھول ہے تو کسی شبنمی روش پہ مہک
ترا مقامِ نمائش دلِ شرر میں نہیں

خرد وروں نے تعصب کہا جسے محسنؔ
خدا کا شکر ہے وہ درد میرے سر میں نہیں

آئینہ در آغوشِ جنوں، پیمانہ بکف بھی
اے دشمنِ جاں! دیکھ ذرا میری طرف بھی

دل، شورشِ پیہم ہے، نظر وقفِ خموشی
میں رونقِ طوفاں بھی ہوں ساحل کا شرف بھی

اکثر مجھے اغیار کے انبوہِ رواں بھی
شامل نظر آئی مرے احباب کی صف بھی

اے دوست ترے بعد سرِ کوئے تمنا
ہم لوگ رہے سنگِ ملامت کا ہدف بھی

تو جنسِ خرد لے کے بکھر جا کہیں ورنہ
آئے گا کوئی سنگِ جنوں تیری طرف بھی

محسنؔ میں فقط خاکِ شفا پر نہیں نازاں
سجدوں کو میسر ہے درِ شاہِ نجف بھی

❁

بزمِ یاراں میں کیا گُل کھِلائے گئے
ہر قبا پر ستارے سجائے گئے

اتفاقاً کوئی قصر تاریک تھا
انتقاماً کئی گھر جلائے گئے

جن کی لَو خنجروں سے ذرا تیز تھی
وہ دیے شام ہی سے بجھائے گئے

اپنی صورت بھی اِک وہم لگتی ہے اب
اتنے آئینے مجھ کو دکھائے گئے

شہرِ دل پر مسلط رہیں ظلمتیں
دشتِ ہستی میں سورج اُگائے گئے

کیا غضب ہے کہ جلتے ہوئے شہر میں
بجلیوں کے فضائل سنائے گئے

دل وہ بازار ہے جانِ محسنؔ جہاں
کھوٹے سکے بھی اکثر چلائے گئے

✿

خُود وقت مرے ساتھ چلا وہ بھی تھک گیا
مَیں تیری جُستجو میں بہت دُور تک گیا

کچھ اور ابر چاند کے ماتھے پہ جُھک گئے
کچھ اور تیرگی کا مقدر چمک گیا

کل جس کے قرب سے تھی گریزاں مری حیات
آج اُس کے نام پر بھی مرا دل دھڑک گیا

میں سوچتا ہُوں شہر کے پتھر سمیٹ کر
وہ کون تھا جو راہ کو پھُولوں سے ڈھک گیا

دشمن تھی اُس کی آنکھ جو میرے وُجود کی
مَیں حرف بن کے اُس کی زباں پر اٹک گیا

اب کوئی سنگ پھینک کر چھلکے کوئی شرر
میں شہرِ آرزو میں اچانک بھٹک گیا

مت پوچھ فکرِ زیست کی غارت گری کا حال
احساس برف برف تھا لیکن بھڑک گیا

احباب جبرِ زیست کے زنداں میں قید تھے
محسن میں خود صلیبِ غزل پر لٹک گیا

❀

منظر یہ عجب شہر سے باہر نظر آئے
سایہ بھی مجھے راہ کا پتھر نظر آئے

کس قریہ میں اب اپنی خموشی کو چھپاؤں
ہر موڑ پہ ہنگامۂ محشر نظر آئے

سوچوں تو مری دشمنِ جاں، وسعتِ آفاق
دیکھوں تو یہ زنداں بھی مرا گھر نظر آئے

میں فکر کے مہتاب پہ پہنچا تو زمیں پر
مجھ کو کئی ذرّے مہ و اختر نظر آئے

کچھ لوگ جو منسوب رہے شیشہ گروں سے
آئینے میں وہ خود کو سکندر نظر آئے

میں جاگتی آنکھوں میں جسے ڈھونڈنا چاہوں
وہ شخص مجھے خواب میں اکثر نظر آئے

محسنؔ مرے افکار کی وسعت پہ نہ جاؤ
دشمن بھی مجھے اپنے برابر نظر آئے

❁

زندگی وقفِ خمِ گیسوئے حالات تو ہے
اپنی قسمت میں سحر ہو کہ نہ ہو رات تو ہے

ورنہ یوں راس نہ آتے مجھے ویران لمحے
سوچتا ہوں کہ ترے غم میں کوئی بات تو ہے

اِس نئے دار کی ٹہنی پہ بھی خاموش ہوں میں
خامشی کچھ بھی نہ ہو مقتلِ نغمات تو ہے

تجربہ کچھ بھی ہو، تو دل اُس سے بہل جائے گا
ایک لمحے کو سہی اُن سے ملاقات تو ہے

اے زمانے تری تجدید بجا ہے، لیکن
تُو بھی منجملۂ اربابِ روایات تو ہے

وقت کے جبر نے بخشے ہیں کئی زخم مگر
آدمی منتظرِ روزِ مکافات تو ہے

کیوں نہ اِس سے میں سجا لوں غمِ ہستی محسنؔ
میرے اشعار میں کچھ عکسِ غمِ ذات بھی ہے

آپ کی آنکھ سے گہرا ہے مری رُوح کا زخم
آپ کیا سوچ سکیں گے مری تنہائی کو

مَیں تو دم توڑ رہا تھا، مگر افسردہ حیات
خُود چلی آئی مری حوصلہ افزائی کو

لذّتِ غم کے سوا، تیری نگاہوں کے بغیر
کون سمجھا ہے مرے زخم کی گہرائی کو

مَیں بڑھاؤں گا تری شہرتِ خُوشبُو کا نکھار
تُو دُعا دے مرے افسانۂ رسوائی کو

وہ تو یُوں کہیے کہ اِک قوسِ قزح پھیل گئی؛
ورنہ مَیں بھُول گیا تھا تری انگڑائی کو

ہر ایک زخم کا چہرہ گلاب جیسا ہے
مگر یہ جاگتا منظر بھی خواب جیسا ہے

یہ تلخ تلخ سا لہجہ، یہ تیز تیز سی بات
مزاجِ یار کا عالم شراب جیسا ہے

مرا سخن بھی چمن در چمن شفق کی پھوار
ترا بدن بھی مہکتے گلاب جیسا ہے

بڑا طویل، نہایت حسین، بہت مبہم
مرا سوال تمہارے جواب جیسا ہے

تو زندگی کے حقائق کی تہ میں یوں نہ اتر
کہ اس ندی کا بہاؤ چناب جیسا ہے

تری نظر ہی نہیں حرف آشنا ورنہ
ہر ایک چہرہ یہاں پر کتاب جیسا ہے

چمک اٹھے تو سمندر، بجھے تو ریت کی لہر
مرے خیال کا دریا سراب جیسا ہے

ترے قریب بھی رہ کر نہ پا سکوں تجھ کو
ترے خیال کا جلوہ حباب جیسا ہے

نظر میں زخم تبسم چھپا چھپا کے ملا
خفا تو تھا وہ مگر مجھ سے مسکرا کے ملا

وہ ہم سفر کہ مرے طنز پر ہنسا تھا بہت
ستم ظریف مجھے آئینہ دکھا کے ملا

مرے مزاج پہ حیران ہے زندگی کا شعور
میں اپنی موت کو اکثر گلے لگا کے ملا

میں اس سے مانگتا کیا خوں بہا جوانی کا
کہ وہ بھی آج مجھے اپنا گھر لٹا کے ملا

میں جس کو ڈھونڈ رہا تھا نظر کے رستے میں
مجھے ملا بھی تو ظالم نظر جھکا کے ملا

میں زخم زخم بدن لے کے چل دیا محسن
وہ جب بھی اپنی قبا پر کنول سجا کے ملا

❁

ہر نفس درد کے سانچے میں ڈھلا ہو جیسے
زیست ناکردہ گناہوں کی سزا ہو جیسے

لے گئی یوں مجھے خوابوں کے جزیروں کی طرف
نکہتِ گل ترے آنچل کی ہوا ہو جیسے

ظلمتِ شامِ الم مجھ سے گریزاں ہے ابھی
اک ستارا مری پلکوں میں چھپا ہو جیسے

تیری زلفیں بھی پریشاں ہیں مرے دل کی طرح
تو بھی کچھ دیر مرے ساتھ رہا ہو جیسے

میں ترے سائے سے بچ بچ کے چلا ہوں اکثر
میری منزل تیری منزل سے جدا ہو جیسے

پھول مانگوں تو عطا کرتے ہیں زخموں کے کنول
اب یہی شیوۂ اربابِ وفا ہو جیسے

یوں مری آنکھ سے اوجھل وہ رہا ہے اکثر
اس کا پیکر مرے خوابوں میں ڈھلا ہو جیسے

چاندنی اپنے تقدس پہ ہے نازاں اتنی
مریمِ شب کی خطاپوش ردا ہو جیسے

آج پھر ان سے ملاقات ہوئی ہے محسنؔ
آج پھر دل پہ کوئی زخم لگا ہو جیسے

❁

زمانے بھر کی نگاہوں میں جو خدا سا لگے
وہ اجنبی ہے مگر مجھ کو آشنا سا لگے

نجانے کب مری دنیا میں مسکرائے گا،
وہ ایک شخص کہ خوابوں میں بھی خفا سا لگے

عجیب چیز ہے یارو یہ منزلوں کی ہوس
کہ راہزن بھی مسافر کو رہنما سا لگے

دلِ تباہ! ترا مشورہ ہے کیا کہ مجھے
وہ پھول رنگ ستارہ بھی بے وفا سا لگے

ہوئی ہے جس سے منوّر ہر ایک آنکھ کی جھیل
وہ چاند آج بھی محسنؔ کو کم نما سا لگے

❁

نظر کا حُسن بھی حُسنِ بتاں سے کم تو نہ تھا
مرا یقین تمہارے گماں سے کم تو نہ تھا

مزاجِ عظمتِ آدم کی بات ہے، ورنہ
زمیں کا ظلم ترے آسماں سے کم تو نہ تھا

گزر رہا تھا جہاں سے میں سنگِ دل بن کر
وہ موڑ شیشہ گروں کی دکاں سے کم تو نہ تھا

نجانے کیوں تری آنکھیں خموش تھیں، ورنہ
دلِ غریب کا نغمہ فغاں سے کم تو نہ تھا

رہِ جنوں کے نشیب و فراز میں محسنؔ،
خرد کا پھول بھی سنگِ گراں سے کم تو نہ تھا

آندھی چلی تو دھوپ کی سانسیں اُلٹ گئیں
عُریاں شجر کے جسم سے شاخیں لپٹ گئیں

دیکھا جو چاندنی میں گریبانِ شب کا رنگ
کرنیں پھر آسمان کی جانب پلٹ گئیں

مَیں یاد کر رہا تھا مقدّر کے حادثے!
میری ہتھیلیوں پہ لکیریں سمٹ گئیں

مٹی کے معجزے رہے مرہونِ کاروان
پانی کی خواہشیں تھیں کہ لہروں میں بٹ گئیں

آسانیوں کی بات نہ کر اے حریفِ زیست
اُن مشکلوں کو دیکھ جو رستے سے ہٹ گئیں

جو خود اپنی وفا سے شرمائے
دل ابھی آشنا سے ڈر جائے

اُڑ رہی ہے فضا میں تنہائی
کوئی آنکھوں کا جال پھیلائے

بند ہیں مہ وشوں کے دروازے
چاندنی آج کس کے گھر جائے!

منزلوں کا نشاں نہیں ملتا
ہم بڑی دور سے پلٹ آئے

میرے احساس کے الاؤ میں
کاش میرا شعور جل جائے

وہ خدا ہے تو روٹھتا کیوں ہے!
آدمی ہے تو سامنے آئے

فکر کے آسمان پر محسن،
سینکڑوں آفتاب گہنائے

❀

اب وہ طوفاں ہے نہ شور ہواؤں جیسا،
دل کا عالم ہے ترے بعد خلاؤں جیسا

کاش دنیا مرے احساس کو واپس کر دے
خامشی کا وہی انداز، صداؤں جیسا

پاس رہ کر بھی ہمیشہ وہ بہت دُور ملا
اُس کا اندازِ تغافل تھا خداؤں جیسا

کتنی شدت سے بہاروں کو تھا احساسِ مآل
پھول کھِل کر بھی لگا زرد خزاؤں جیسا

کیا قیامت ہے کہ دُنیا اُسے سردار کہے
جس کا اندازِ سخن بھی ہو گداؤں جیسا

پھر تری یاد کے موسم نے جگائے محشر
پھر مرے دل میں اُٹھا شور ہواؤں جیسا

بارہا خواب میں پاکر مجھے پیاسا محسنؔ
اُس کی زلفوں نے کیا رقص گھٹاؤں جیسا

❁

نظر میں کیف نہ تھا، دل میں عکسِ یار نہ تھا
مرا جنوں کبھی شرمندۂ بہار نہ تھا

یہ واقعہ ہے کہ گلشن میں پھول کھلتے رہے
یہ حادثہ ہے کہ دامن میں کوئی تار نہ تھا

خطا معاف! میں شیشوں کی تہ میں ڈوب گیا
مجھے حضور کی آنکھوں پہ اعتبار نہ تھا

امیرِ شہر نے الزام دھر دیئے، ورنہ
غریبِ شہر کچھ اتنا گناہ گار نہ تھا

ہم اُن کے چاکِ گریباں کو کیا رفو کرتے
ہمیں خود اپنے گریباں پہ اختیار نہ تھا

مرے دُکھوں سے ہوئے جس کے قہقہے منسوب
وہ آدمی بھی مرے غم میں سوگوار نہ تھا

میں سوچتا ہوں بھلا کس طرح سے گزری ہے
وہ ایک شب کہ تمہارا بھی انتظار نہ تھا

مجھے فضائے چمن راس ہی نہ تھی محسنؔ،
کہ نکہتوں کا سفر اتنا خوشگوار نہ تھا

❁

جس کی تنظیم ہوئی منزلِ دانائی تک
لوگ کہتے ہیں اُسے آج بھی سودائی تک

ایک ہی رنگ تھا جذبات کی طغیانی کا
موسمِ گُل سے ترے جسم کی انگڑائی تک

بامِ شہرت پہ تو پُوجا مجھے لوگوں نے، مگر
ساتھ آیا نہ کوئی کوچۂ رسوائی تک

وہ تری آنکھ ہو یا سنگِ ملامت کی چبھن
کون پہنچا ہے مرے زخم کی گہرائی تک

مَیں نے جس شخص کو خوابوں میں تراشا محسنؔ
لوگ کہتے ہیں اُسی شخص کو ہرجائی تک

✿

تیری دُھن میں محفل آرائی مری،
کس قدر دلکش ہے تنہائی مری

کاش تُو سمجھے کبھی اِس راز کو
تیرے جلوؤں میں ہے رعنائی مری

اجنبی ہیں خود جو اپنی ذات سے
ہوگئی اُن سے شناسائی مری

آپ کے دُشمن ہوں مصروفِ ملال
اتفاقاً آنکھ بھر آئی مری

تُو بھی دیکھ اب اِس بہانے سے مجھے
ایک خلقت ہے تماشائی مری

کیوں وہ ظالم دیر تک روتا رہا،
کون سی بات اُس کو یاد آئی مری

دشت بھی مہکا ہے گُلشن کی طرح
رنگ لائی آبلہ پائی مری

جانِ محسن تیری شہرت کی قسم
دُور تک پہنچی ہے رسوائی مری

❁

آپ کی آنکھ میں کچھ رنگ سا بھرنا چاہیے
دل بھی خوابوں کے جزیروں سے گذرنا چاہیے

کتنا دل کش ہے شبِ غم کی خموشی کا فسوں،
زندگی آپ کی آہٹ سے بھی ڈرنا چاہیے

مَیں لہو بن کے ترے رنگِ قبا سے اُلجھوں
تو شفق بن کے مرے رُخ پہ بکھرنا چاہیے

جشنِ نوروز ہو یا شامِ غریباں کا سکوت
دل ہر اِک خوف کی منزل سے گذرنا چاہیے

رُوٹھ جانا تو نمائش ہے سراسر ورنہ
زندگی یُوں بھی تری بات پہ مرنا چاہیے

یہ الگ بات کہ آنکھوں نے اُسے دیکھ لیا
ورنہ وہ عکس مرے دل میں اُترنا چاہیے

میری تقدیر کی صُورت، مرے اشکوں کی طرح
وہ حسیں شخص بہرحال سنورنا چاہیے،

دن کی تقدیر کا حاصل بھی وہی ہے محسن
اِک ستارا جو سرِ شام اُبھرنا چاہیے

❁

کس درجہ حسیں تھا مرے ماحول کا غم بھی
میں بھول گیا آپ کا انداز ستم بھی

اُلجھے ہوئے لمحات کے تاریک سفر میں
آئے ہیں بہت یاد تری زلف کے خم بھی

اک لمحہ تو دم لینے دے آغوشِ سکوں میں
اے گردشِ حالات کسی موڑ پہ تھم بھی

پلکوں پہ سجائے ہوئے زخموں کے نگینے
گزریں گے کسی روز ترے شہر سے ہم بھی

کیوں درد کی قندیل جلائے کوئی دل میں
حالات کی تلخی تو زیادہ بھی ہے کم بھی

منظر تو ذرا دیکھئے رسوائیِ فن کا،
بکنے لگے بازار میں اربابِ قلم بھی

کچھ دیر تو پھوٹا ہے لہو میری جبیں سے
کچھ دیر تو چمکے گا ترا سنگِ حرم بھی

اک عمر جسے ذہن نے پوجا ہے بہر طور
محسن وہ ستم کیش، خدا بھی تھا صنم بھی

❁

جھیل سی آنکھ تھی کنول نہ ہوئی
مجھ سے پھر آج بھی غزل نہ ہوئی

زندگی تھی مرے مزاج کی لہر
وہ ترے گیسوؤں کا بل نہ ہوئی

آپ کے بعد مجھے ہوش آیا،
یہ خطا مجھ سے برمحل نہ ہوئی

آپ بھی ایک مہ جبیں ٹھہرے،
آپ کی بات بھی اٹل نہ ہوئی،

صرف میرے جہاں میں اے محسن
عاشقی ذہن کا خلل نہ ہوئی

❁

ذہن میں صورت گماں ٹھہری،
وہ نظر اس طرح کہاں ٹھہری؟

ہم نے جو بے خودی میں کہہ ڈالی
بات وہ زیب داستاں ٹھہری

پھول مانگو تو زخم دیتے ہیں،
اب یہی رسم دوستاں ٹھہری

چاند کو دیکھ کر وہ یاد آئے
چاندنی میری رازداں ٹھہری،

خواہشوں میں بکھر گئی محسن،
دوستی جنس رائیگاں ٹھہری

❀

سلسلہ پیار کا آغوش در آغوش بھی ہے
معجزہ یہ ہے کہ تھوڑا سا مجھے ہوش بھی ہے

میری تخلیق مرے جرم کی تعزیر سہی
زندگی غور تو کر اس میں ترا دوش بھی ہے

بے جھجک پیتا چلا جائے مگر فاش نہ ہو
مے کشو تم میں کوئی ایسا بلانوش بھی ہے

شیخ چہکا ہے جو منبر پہ ذرا سی پی کر،
اس کی تقریر میں جدت ہی نہیں جوش بھی ہے

آ غمِ زیست تجھے مے سے گلابی کر دوں،
رنگ بھی فق ہے ترا، آج تو خاموش بھی ہے

چند احباب مجھے یاد رہیں گے محسن،
ان میں شامل وہ مرا زود فراموش بھی ہے

―――

❀

شام کے وقت جام یاد آیا
کتنا دلچسپ کام یاد آیا

جب بھی دیکھا کوئی حسین چہرہ
مجھ کو تیرا سلام یاد آیا

سن کے قصّے خُدا کی عظمت کے
آدمی کا مقام یاد آیا

دیکھ کر جھومتی گھٹاؤں کو
اُن کی زلفوں کا نام یاد آیا

بنسری کی نوا کو تیز کرو
آج رادھا کو شیام یاد آیا

رقصِ طاؤس دیکھ کر اکثر
کوئی محشر خرام یاد آیا

صحنِ مسجد میں بھی ہمیں محسنؔ
میکدے کا قیام یاد آیا

❁

یاروں کی خامشی کا بھرم کھولنا پڑا
اتنا سکوت تھا کہ مجھے بولنا پڑا

صرف ایک تلخ بات سُنانے سے پیشتر
کانوں میں پھول پھول کا رس گھولنا پڑا

اپنے خطوں کے لفظ، جلانے پڑے مجھے
شفّاف موتیوں کو کہاں رولنا پڑا؟

خوشبو کی سرد لہر سے جلنے لگے جو زخم
پھولوں کو اپنا بندِ قبا کھولنا پڑا

سُنتے تھے اُس کی بزم سخن ناشناس ہے
محسنؔ ہمیں وہاں بھی سخن تولنا پڑا

اپنے ہی درد کے ماتھے پہ سجایا جاؤں
خونِ مزدور ہوں بے وجہ بہایا جاؤں

مجھ کو جلنے دے سرِ طاقِ شبِ ہجر کہ میں
تیرے دامن کی ہوا سے نہ بجھایا جاؤں

آرزو مجھ سے الجھتی ہے زلیخا کی طرح
میں بھی یوسف ہوں تو بازار میں لایا جاؤں

اپنے افکار کو پستی سے بچانے کے لئے
آسمانوں کی بلندی سے گرایا جاؤں

یاد آؤں گا تجھے ذہن کی ہر منزل پر
حرفِ سادہ تو نہیں ہوں کہ بھلایا جاؤں

عمر بھر ذہن میں چمکا نہ کوئی فکر کا چاند
چاندنی اب ترے شعلوں میں جلایا جاؤں

میرے محسن مرے افکار کی تخصیص نہ کر
عکسِ آئینہ ہوں ہر دل پہ گرایا جاؤں

❁

شام کے سر پہ آنچل دیکھا
ہم نے جلتا جنگل دیکھا

اپنی آنکھ میں آنسو پائے
اُن کی آنکھ میں کاجل دیکھا

پھول نظر میں رقصاں رقصاں
جانے کس کا آنچل دیکھا

مَن کے بَن میں خاک اُڑتی تھی
آج وہاں پر جل تھل دیکھا

جب بھی دیکھا ہے محسنؔ کو
تیرے پیار میں پاگل دیکھا

❁

فصلِ خرد ہے، رنگِ چمن دیکھتے چلو
پھر اہتمامِ دار و رسن دیکھتے چلو

دلچسپ واقعہ ہے کہ صحرا کی دھوپ میں
ذرّوں کا جل رہا ہے بدن دیکھتے چلو

تنقید مت کرو کہ زمانہ خراب ہے
چُپ چاپ دوستوں کا چلن دیکھتے چلو

محسنؔ شبِ سیاہ بھی اوڑھے ہوئے ہے آج
شفاف چاندنی کا کفن دیکھتے چلو

خزاں کی دھوپ میں مدت سے جل رہا ہوں میں
بنا تھا برف کا پیکر، پگھل رہا ہوں میں

مرے شعور پہ اب اور کوئی ظلم نہ کر
یہ ظلم کم ہے، ترے ساتھ چل رہا ہوں میں

مرے مزاج کے دشمن مری شکست بھی دیکھ
بصد خلوص تری لے میں ڈھل رہا ہوں میں

مرے شعور کی لغزش پہ بدگمان نہ ہو
مجھے یقیں ہے کہ ظالم! سنبھل رہا ہوں میں

مری نگاہ نہ بدلی رخِ ہوا کی طرح
خود اپنے ذہن کی صورت اُبل رہا ہوں میں

چاندنی رات میں اُس پیکرِ سیماب کے ساتھ
میں بھی اُڑتا رہا اک لمحۂ بے خواب کے ساتھ

کس میں ہمت ہے کہ بدنام ہوسائے کی طرح
کون آوارہ پھرے جاگتے مہتاب کے ساتھ

آج کچھ زخم نیا لہجہ بدل کر آئے
آج کچھ لوگ نئے مل گئے احباب کے ساتھ

سینکڑوں ابر اندھیرے کو بڑھائیں لیکن
چاند منسوب نہ ہو کرمکِ شب تاب کے ساتھ

دل کو محروم نہ کر عکسِ جنوں سے محسن
کوئی ویرانہ بھی ہو قریۂ شاداب کے ساتھ

❁

تہہ سے موتی نکال کر دیکھو
تم سمندر کھنگال کر دیکھو

غم، خوشی سے حسین ہوتا ہے
خود کو اِس لے میں ڈھال کر دیکھو

کتنی پاکیزہ ہے جہاں کی نظر!
اپنا آنچل سنبھال کر دیکھو

یُوں ہی شاید فضا نکھر جائے
کوئی ساغر اُچھال کر دیکھو

لوگ کہتے ہیں وہ ہے "لکھ داتا"
تم بھی محسنؔ سوال کر دیکھو

❁

میکدے میں رونقِ محفل بہت
ہے مرا ساقی کشادہ دل بہت

ہم پہ کھلتے کیا مزاجِ زندگی
تھا مزاجِ رنگِ آب و گِل بہت

راہ کے پتھر کو منزل مت کہو
دُور ہے یارو! ابھی منزل بہت

کس قدر حساس ہوں طوفاں میں بھی
سن رہا ہوں شورشِ ساحل بہت

تیرگی میں وہ نظر آئیں گے کیا،
چاندنی راتوں میں اُن سے مل بہت

دامنِ حاتم کی وسعت دیکھئے
آج خالی ہاتھ ہیں سائل بہت

تیرا آنچل ہی نہ لہرایا کہیں،
یوں تو آئے تھے نظر محمل بہت

سر ہتھیلی پہ لیے بڑھتے رہو
کوئے رسوائی میں ہیں قاتل بہت

✿

یہ اندھیرا، یہ روشنی کیا ہے،
آؤ سوچیں کہ زندگی کیا ہے،

ہر قدم پر فریب دیتے ہو،
بندہ پرور یہ دوستی کیا ہے،

اپنے داماں تار تار کو دیکھ،
مجھ سے مت پوچھ آگہی کیا ہے

آ مجھے اپنے شہر میں لے چل
اے مری موت سوچتی کیا ہے

چاند پر جا کے ہم بھی سوچیں گے
یہ سہانی سی چاندنی کیا ہے

وقفِ زہرابِ درد ہو جانا
اور معیارِ مے کشی کیا ہے؟

دل صداؤں میں کھو گیا محسنؔ،
میں نے پوچھا تھا خامشی کیا ہے

❁

زخم کے پھول سے تسکین طلب کرتی ہے،
بعض اوقات مری روح غضب کرتی ہے

جو تری زلف سے اترے ہوں مرے آنگن میں
چاندنی ایسے اندھیروں کا ادب کرتی ہے

اپنے انصاف کی زنجیر نہ دیکھو کہ یہاں
مفلسی ذہن کی فریاد بھی کب کرتی ہے؟

صحنِ گلشن میں ہواؤں کی صدا غور سے سن
ہر کلی ماتمِ صد جشنِ طرب کرتی ہے

صرف دن ڈھلنے پہ موقوف نہیں ہے محسنؔ،
زندگی زلف کے سائے میں بھی شب کرتی ہے

یوں تو ہے پرستار زمانہ ترا کب سے
پُوجا ہے مگر ہم نے تجھے اور ہی ڈھب سے

اُس آنکھ نے بخشی ہے وہ تاثیر کہ اب تک
جلتی ہے ہمیں گردشِ دوراں بھی لَب سے

یاروں کی نگاہوں میں بصیرت نہ تھی ورنہ
پھُوٹی ہے کئی بار سحر دامنِ شب سے

وہ گُل جو گریباں میں سجائے تھے کسی نے
وہ گُل ہوئے منسوب تری سُرخیِ لب سے

پلکوں پہ شرر، لب پہ دُعا، دل میں ستارے
نکلا ہے کوئی یوں بھی تری بزمِ طرب سے

اُبھرے بھی صدا کوئی کسی شہرِ سکوں میں
ہم منتظرِ نغمہ و فریاد ہیں کب سے

احباب کے ہر طنز پہ سر خم کیا میں نے
محسن مجھے شکوہ ہے فقط خوئے طلب سے

۞

یوں ہِردے کے شہر میں اکثر تیری یاد کی لہر چلے
جیسے اِک دیہات کی گوری گیت الاپے شام ڈھلے

دور اُفق پر پھیل گئی ہے کاجل کاجل تاریکی
پاگل پاگل تنہائی میں کس کی آس کا دیپ جلے؟

چاند نگر کے آواروں کو کون بھلا سمجھائے گا
کتنی یادیں سُلگ رہی ہیں ارمانوں کی راکھ تلے

جب بھی کومل پھول کھلے ہیں سانجھ سویرے گلشن میں
مَن میں کتنی آگ لگی ہے، دل پر کتنے تیر چلے؟

جس کی صورت اُجلی اُجلی، مَن تاریک سمندر ہو
ایسے یار کے پیارے محسنؔ صحراؤں کے ناگ بھلے

اِک پاگل سی لڑکی دھوپ میں ہنس ہنس جی بہلائے
ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا، ٹھوکر کھا کھا جائے

نرم نرم سا بستر اُس کا، گرم گرم سے ہونٹ،
شرم شرم سے مرتی جائے جب بھی رین سجائے

پاس کی اندھیاری نگری میں آس کا جوبن دیکھو
جیسے دور کھڑی اِک گوری، گھونگھٹ میں مسکائے

زخم زخم میں اُس کی یادیں، بھول بھول کے آئیں
پھول پھول میں اُس کا چہرہ اپنی چھب دکھلائے

اوڑھ کے اُجلی دھوپ کی چادر، چاند نگر کی چھوری
دور کھڑی مسکائے گوری، میرے پاس نہ آئے

میں بھی اُڑوں گا ابر کے شانوں پہ آج سے
تنگ آگیا ہوں تشنہ زمیں کے مزاج سے

میں نے سیاہ لفظ لکھے دل کی لوح پر
چمکے گا درد اور بھی اِس امتزاج سے

اِنساں کی عافیت کے مسائل نہ چھیڑیے
دُنیا اُلجھ رہی ہے ابھی تخت و تاج سے

گنگا تو بہہ رہی ہے مگر ہاتھ خشک ہیں
بہتر ہے خودکشی کا چلن اِس رواج سے

تم بھی مرے مزاج کی لے میں نہ ڈھل سکے،
اُکتا گیا ہوں میں بھی تمہارے سماج سے

دل جلا کر بھی دلربا نکلے
میرے احباب کیا سے کیا نکلے

آپ کی جستجو میں دیوانے
چاند کی رہگذر پہ جا نکلے

سوزِ ہستی ہی جب نہیں باقی،
سازِ ہستی سے کیا صدا نکلے

دیکھئے کارواں کی خوش بختی
چند رہزن بھی رہنما نکلے

یوں تو پتھر ہزار تھے لیکن
چند گوہر ہی بے بہا نکلے

دل بھی گستاخ ہو چلا تھا بہت
شکر ہے آپ بے وفا نکلے

کس کی دہلیز پر جھکیں محسنؔ
جتنے انساں تھے سب خدا نکلے

❁

تنہا ہے دل تو ذہن کئی محفلوں میں ہے
یعنی مری حیات بڑی مشکلوں میں ہے

جگنو کو دن کا شہر نہ راس آسکا تو کیا
سورج کا گھر بھی شب کے گھنے جنگلوں میں ہے

فرصت ملے تو اپنی سماعت پہ غور کر
میرے غموں کی لَے بھی ترے قہقہوں میں ہے

جس کو تلاش کرتی ہیں آوارہ منزلیں
کس کو خبر وہ قافلہ کن راستوں میں ہے

رختِ سفر لُٹا کے بھی رہرو ہیں مطمئن
کتنی کشش جنوں کی حسیں منزلوں میں ہے

پتوں پہ جم گئی ہے کئی موسموں کی گرد
شاخوں کا جسم لپٹا ہوا چادروں میں ہے

محسنؔ کسی کا عکس ہے اشکوں میں وقتِ صبح
یا صاف آئینے کا بدن پانیوں میں ہے

———

❁

محبت پھول ہے پتھر نہیں ہے
مجھے رُسوائیوں کا ڈر نہیں ہے

ستارے چاندنی مئے پھول خوشبو
کوئی شے آپ سے بڑھ کر نہیں ہے

زمانے سے دکھوں کے گفتگو کر
زمانے کی فضا بہتر نہیں ہے

مرا رستہ یونہی سنسان ہوگا
مرے رستے میں تیر اگھر نہیں ہے

مجھے وحشت کا رُتبہ دینے والے
ترے ہاتھوں میں کیوں پتھر نہیں ہے

محبت اَدھ کھلی کلیوں کا رس ہے
محبت زہر کا ساغر نہیں ہے

نظر والو! چمک پر مر رہے ہو
ہر اک پتھر یہاں گوہر نہیں ہے

کہاں ہیں آج کل احباب محسنؔ،
صلیب و دار کا منظر نہیں ہے

✿

ہنس ہنس کے زندگی کی دُعا دے گیا مجھے
وہ شخص بھی عجیب سزا دے گیا مجھے

سوکھے ہوئے شجر کی برہنہ سی شاخ پر
دو پنچھیوں کا رقص مزا دے گیا مجھے

دم گھٹ رہا تھا ذہن کی جلتی فضاؤں میں،
جھونکا ترے نفس کا ہوا دے گیا مجھے

لوگوں کے اِس ہجوم میں مقتل کے موڑ پر
میں سوچتا ہوں کون صدا دے گیا مجھے

میں جاگتے دِنوں میں چھپاتا کہاں بدن؟
وہ بھیگتی شبوں کی رِدا دے گیا مجھے

اِک برگِ زرد خشک سی ٹہنی سے ٹوٹ کر
آوارہ منزلوں کا پتہ دے گیا مجھے

میرے بدن پہ کتنا پرانا لباس تھا
تیرا مزاج رنگ نیا دے گیا مجھے

❀

قبول کر لے اسے اے جہانِ کہنہ مزاج
میں دے رہا ہوں تجھے اک نئی غزل کا خراج

غریبِ شہر کی عصمت نہ بک رہی ہو کہیں،
عجیب شور سنا ہے فصیلِ شہر پہ آج

تُم اپنے ذہن کی تنہائیوں میں چھپ جاؤ
کہ ہو چلا ہے بہت عام خودکشی کا رواج

لبوں کو سی کے گنہگارِ گفتگو ٹھہرو
اِسی کا نام ہے 'دُنیا' اِسی کا نام سماج

مَیں کس طرح کسی رستے میں سر اُٹھا کے چلوں
کہ میرے سر پہ تو رکھا ہے خواہشات کا تاج

اُتر گیا مرے وجدان کی تہوں میں، مگر
وہ رکھ سکا نہ مرے ڈوبتے شعور کی لاج

مری غزل سے ہی پہچان لو مجھے محسنؔ،
مری غزل سے جھلکتا ہے میرے فن کا مزاج

❁

طلوعِ صُبحِ درخشاں، فروغِ حُسنِ بہار
ترے لبوں کا تبسم، تری نظر کا خمار

نہ تیرے درد کی آہٹ، نہ میرے وہم کا شور
بہت دنوں سے ہے ویراں غزل کی راہ گزار

مزاجِ وقت کی تالیف عین ممکن ہے
گراں نہ گزرے تو اِن کاکلوں کو اور سنوار

خوشی سے چھین لے میری متاعِ فکر، مگر
میرے بدن سے یہ ملبوسِ عافیت نہ اُتار

خود اپنے فکر کی پستی پہ دسترس ہے مجھے
بندیوں کا خدا ان کے مجھ کریں نہ پکار

وہ ماہتاب کہاں چھپ گیا کہ جس نے ابھی
رُخِ حیات کو بخشا تھا چاندنی کا نکھار

ترا مزاج کہ تو میرِ کارواں ہے ابھی
مرا نصیب کہ پایا ہے راستوں کا غبار

چلو کہ چل کے تماشائے فصلِ گُل دیکھیں
کہ جل رہے ہیں ابھی جنگلوں میں سُرخ چنار

ہزار بار گری برق شہر پہ محسنؔ
کسی کے جسم پہ چمکے نہ پھول رنگِ شرار

❁

اُن کے اشکوں کو کہاں تک گریۂ شبنم کہیں
آؤ معیارِ نظر بدلیں فسانے کم کہیں

ہے کفِ موجِ صبا میں تارِ دامانِ حیات
اہلِ دل اِس کو مری تقدیر کا پرچم کہیں

ریشمی کرنوں میں لپٹا ہو بدن تقدیس کا
چاندنی چھلکے تو ہم افسانۂ مریم کہیں

دل کے پیمانے میں رقصاں ہے سمندر کا مزاج
ہم اسے اپنی زباں میں کیوں نہ جامِ جم کہیں

دل یہ کہتا ہے مآلِ موسمِ گُل دیکھ کر
ہر خوشی کی بزم کو ہم حلقۂ ماتم کہیں

نکہتوں کے شہر میں جائیں تو اربابِ نظر
زخم کو عکسِ رُخِ گُل، اشک کو شبنم کہیں

اِستعارہ دل ہی سے قائم ہے بھرم ہر چیز کا
موجِ صہبا کو لہو اور انگبیں کو سم کہیں

ہر نئی لغزش کو دیتے ہیں نیا عنواں ہم
زندگی! کب تک تری تحریر کو مبہم کہیں

اب نہ اُس کی یاد ہے محسنؔ نہ گلوں کا فریب
زیست کی اِس کشمکش کو کونسا عالم کہیں

چاک گریباں

*

قطعات

چاندنی کارگر نہیں ہوتی،
تیرگی مختصر نہیں ہوتی،
اُن کی زُلفیں اگر بکھر جائیں
احتراماً سحر نہیں ہوتی

مُنتشر یُوں عظمتِ آدم کا شیرازہ ہُوا
داغِ رُسوائی رُخِ کردار کا غازہ ہُوا
میں لبِ ساحل تھا دریا کے سکوں پر خندہ زن
ڈوبنے کے بعد گہرائی کا اندازہ ہُوا

شکستنی ہے مرا کاسۂ دماغ مگر
دلِ غریب کو اُمیدِ التفات بھی ہے
وہ اِک گناہ کہ سرزد ہُوا بنامِ شباب
اُسی گناہ سے اندیشۂ نجات بھی ہے

خرد کی لَو میں پگھلتے ہُوئے ایاغ ملے
جُنوں کی آگ میں جلتے ہُوئے چراغ ملے
قبائے صبحِ درخشاں ہی تار تار نہ تھی
لباسِ شب پہ بھی کچھ تہمتوں کے داغ ملے

شہرِ احساس ہے تاریک پہ ویراں تو نہیں
مُضطرب ہیں مرے جذبات پریشاں تو نہیں
اتنا گستاخ نہ ہو دستِ زلیخائے خیال!
دامنِ درد ہے یُوسف کا گریباں تو نہیں

مخلوق تو فنکار ہے اِس درجہ کہ پل میں
سنگِ درِ کعبہ سے بھی اصنام تراشے
تُو کون ہے اور کیا ہے ترا داغِ قبا بھی
دُنیا نے تو مریم پہ بھی الزام تراشے

غمِ حیات سے دامن بچا کے چل نہ سکا،
میں آرزو کے کھلونوں سے بھی بہل نہ سکا
یہی بہت ہے کہ ٹکرا گیا ہوں لہروں سے
یہ اور بات کہ طوفاں کا رُخ بدل نہ سکا

اب غفلتِ یاراں کا وہی رنگ نہیں ہے
اب عقل و جنوں میں بھی کوئی جنگ نہیں ہے
پھولوں سے کرو اب سرِ مجنوں کی مدارات
اب کوچۂ قاتل میں کوئی سنگ نہیں ہے

جو خامشی کے نگر میں مقیم ہوتے ہیں،
وہی تو اصل میں روحِ کلیم ہوتے ہیں
میں پوجتا ہوں پتنگوں کو اس لئے محسنؔ
کہ روشنی کے پیمبر عظیم ہوتے ہیں

فسونِ دیر و حرم اور بھی چلے گا ابھی
یقیں نہیں کہ یہ سورج یونہی ڈھلے گا ابھی
دلِ غریب کے زخموں کی روشنی میں بڑھو
چراغِ راہ گذر دیر تک جلے گا ابھی

چاند کا زخم نکھرتا ہے فروزاں ہو کر،
زلفِ حالات سنورتی ہے پریشاں ہو کر
مصلحت جب بھی ہواؤں سے اُلجھا چاہے،
ہم سلگتے ہیں چراغِ تہِ داماں ہو کر

نوجوانیٔ غمِ پندار سے جل سکتی ہے،
آرزو کاسۂ افلاس میں ڈھل سکتی ہے
راس آجائے اگر فصلِ برہنہ پائی،
زندگی خارِ مغیلاں پہ بھی چل سکتی ہے

بولنے والو! مری رُوح کے دروازے پہ
اپنی بھٹکی ہُوئی چُپ چاپ صدائیں مانگو
کھو گیا ہُوں میں غمِ زیست کے اندھیاروں میں
عُمر بھر اب مرے مِلنے کی دعائیں مانگو

اپنی خاموشی اُمنگوں سے صدا مانگتا ہے
رُوح کے زخم سے اندازِ حنا مانگتا ہے
کتنا پاگل ہے مرا دِل کہ بصد رنگِ خلوص
اجنبی شہر میں لُٹنے کی دعا مانگتا ہے،

وہ ہنس دیے تو ستارے بکھر گئے ہر سُو
وہ رو دیے تو کوئی رات مشک بُو نہ ہوئی
وہ چل دیے تو کئی داستانیں چھوڑ گئے
وہ مل گئے تو کوئی بات رُو برو نہ ہوئی

تیرگی کے بُرج میں تقدیر کا اختر ملا
حسرتوں کی خاک میں غلطاں سراغِ گوہر ملا
جاگتی صبحوں کی فطرت ہی نہ تھی مقتل پسند
ڈوبتے سورج کا دامن بھی لہو سے تر ملا

وہ پھول تھا ہر آنکھ کے گلداں میں سجا ہے
میں زخم ہوں، رنگوں میں بکھر بھی نہیں سکتا،
وہ زیست کا معصوم پیمبر تھا مگر میں،
جینے کا گنہگار ہوں، مر بھی نہیں سکتا

میرے مزاج کا دشمن مری گواہی دے
کہ تیرا نام بھی لیتا ہوں میں دعا کی طرح
ہزار نعمتیں دنیا نے بخش دیں مجھ کو
میں آدمی تھا مگر چپ رہا خدا کی طرح

درد کے چاند کو راتوں کا ستم سہنے دو
وقت کی آنکھ سے کچھ اور لہو بہنے دو
اب مرے طرزِ تخاطب سے پریشاں کیوں ہو
میں نہ کہتا تھا کہ یارو! مجھے چپ رہنے دو

وقت لمحوں کا سنہرا جال ہے
غم، رُخِ ہستی پہ گہرا خال ہے
زندگی صحرا پہ اک نقشِ قدم
نوجوانی، ہرنیوں کی چال ہے

شامِ تنہائی ڈس رہی ہے مجھے
درد کے بادلوں نے گھیرا ہے
لَو چراغوں کی تیز تر کر دو
شہرِ دل میں بڑا اندھیرا ہے

مصلحت کے چمن کا حال نہ پوچھ
نکہتوں سے دماغ جلتے ہیں
جو اندھیرے دل کی تہ میں بہتا ہو
اُس لہو سے چراغ جلتے ہیں

مسکراہٹ کی روشنی کا سبب
آنسوؤں کے چراغ ہوتے ہیں
جن کے چہرے ہوں چاند کی صورت
ان کے دل میں بھی داغ ہوتے ہیں

مزاجِ دل پہ حرارت کا وار چل بھی گیا
مرا شعورِ غمِ زندگی میں ڈھل بھی گیا
مسرتوں سے بچھڑنے لگا تھا ذہن ابھی
ہوائے گردشِ دوراں کا رخ بدل بھی گیا

میرے معصوم قاتل تجھے کیا کہیں
قتل گہ میں ترا نقشِ پا بھی نہیں
تو مرے خوں بہا کا تکلف نہ کر
تیرے ہاتھوں میں رنگِ حنا بھی نہیں

اک طرف سیم و زر کے بستر پر
زندگی کروٹیں بدلتی ہے
اک طرف مفلسی کے دوزخ میں
آدمیت کی لاش جلتی ہے

جسے قبائے امارت سمجھ رہے ہیں جناب!
کسی کے جسم سے چھینا ہوا کفن تو نہیں
امیرِ شہر کی مسند کو غور سے دیکھو
کسی غریب کی بیٹی کا پیرہن تو نہیں!

کیا حسیں رنگ ہے عبادت کا
کیا قیامت کی کارسازی ہے
سجدہ کرتا ہے اُن کی چوکھٹ پر
دل بڑا مستقل نمازی ہے

یہ تری آنکھ ہے یا جھیل کے پاکیزہ کنول
یہ ترا چہرہ ہے یا سجدہ گہِ نورِ سحر
یہ تری مانگ میں افشاں ہے کہ تاروں کا ہجوم
یہ ترے لب ہیں کہ یاقوت سے انمول گہر

تیری رفتار ہے یا رقصِ غزالانِ حرم
تیری آواز ہے یا نغمگیِ لحنِ داؤد
تیری گردن ہے کہ مرمر کی صراحی کا جمال
تیرے بازو ہیں کہ دو غزلیں بہ ہنگامِ درود

ہر گھڑی وقفِ طرب صبحِ ازل کی صورت
ہر نفس گرمِ جنوں تھا دمِ عیسیٰ کی طرح
میں نے اُس مریمِ معصوم کی خاطر محسنؔ
دل کو سو بار سجایا ہے کلیسا کی طرح

دل کو وقفِ غمِ حالات کیے بیٹھا ہوں
یہ حسیں زہر بھی مدت سے پیے بیٹھا ہوں
وہ عزادارِ محبت ہوں کہ با وصفِ جنوں،
آنکھ بھی تر نہیں، دامن بھی سیے بیٹھا ہوں

اک حسین اضطراب ہوتا ہے
تشنگی دل کی اور بڑھتی ہے
وہ اگر بے نقاب ہو جائے
چاندنی بھی درود پڑھتی ہے

صحنِ چمن کی شام تھی اور تُو قریب تھا
یعنی مجھے سرورِ دو عالم نصیب تھا
کلیوں کا حسن تیرا تبسم، مری غزل،
وہ حسنِ اتفاق بھی کتنا عجیب تھا

موت کی بے رُخی کے متوالو!
زندگی کے اسیر بن جاؤ
فقر کی سلطنت نرالی ہے
بادشاہو! فقیر بن جاؤ

لغزشوں کے حسین سائے میں
میکدے کے اصول بنتے ہیں
دل کے زخموں سے خار مت کھاؤ
دل کے زخموں سے پھول بنتے ہیں

یُوں کسی مہ جبیں کے چہرے پر
کھیلتی ہے شباب کی رانی
جیسے ساون کی اُودی چھاؤں میں
رقص کرتا ہے سندھ کا پانی

اُف تُمہاری حسین آنکھوں میں
کیفیت نیند کے خماروں کی
جس طرح تھک کے چُور ہو جائے
سانولی شام، کوہساروں کی

❀

آرزوؤں کی سوہنیاں ڈوبیں،
میرے دل کے چناب میں اکثر
جیسے اِک مے گسار کے آنسو
ڈوبتے ہیں شراب میں اکثر

❀

حُسن کا احترام فرماؤ،
حُسن، معصوم پھول ہوتا ہے
جس کے ماتھے سے روشنی پھوٹے
وہ یقیناً رسُول ہوتا ہے

❀

حُسن ہے ابتسام کلیوں کا
حُسن عصمت مآب ہوتا ہے
حُسن کو آئینے کی کیا پروا
حُسن تو لاجواب ہوتا ہے

❀

حُسن کو چاند سے نہ دے نسبت
حُسن کب داغ دار ہوتا ہے
عشق سے پوچھ حُسن کا رُتبہ
حُسن پروردگار ہوتا ہے

ذہن رسا کی محفلِ خاموش میں کبھی
وہ شور کر کر کچھ بھی سنائی نہ دے مجھے
اے دوست! چھوڑ کر یہ رگِ جاں کی بستیاں
اتنا بلند ہو کر دکھائی نہ دے مجھے

قدم قدم پہ جلاؤ سرشکِ غم کے چراغ
روش روش پہ فضاؤں کو سوگوار کرو
چمن چمن میں ہے تقریبِ جشنِ ماتمِ گل
کلی کلی کے گریباں کو تار تار کرو

فشارِ ذہن میں جلتا رہا شرر نہ ہوا
یہ سنگ راہ بنا، شمعِ رہ گزر نہ ہوا
بڑا عجیب لطیفہ ہے ابنِ آدم کا
ستم ظریف خدا بن گیا، بشر نہ ہوا

زلفوں میں سکوں پائے تھکن شامِ اودھ کی
رخ صبحِ بنارس کی امنگوں کا کنول ہے
اس شوخ کو الفاظ کے شیشے میں نہ ڈھالو
غالب کا تخیل ہے وہ حافظ کی غزل ہے

خوشی کا زہر کسی شیشۂ الم میں رہا
مرا شعور سدا دہم بیش و کم میں رہا
کسی نے چھین لی بیوہ کے سر سے چھاؤں مگر
فقیہہ شہر عمامے کے پیچ و خم میں رہا

کبھی تپیسۂ حسن غزل شباب ترا!
کبھی سکون کا دشمن ہے اضطراب ترا
تو اک سوال سماعت فریب ہے اب بھی
زمانہ ڈھونڈ رہا ہے مگر جواب ترا

داغِ پیرہن

منتخب اشعار

جوشِ وحشت تو بہر حال نمایاں ہوتا
پھول اگر پھول نہ ہوتا تو گریباں ہوتا

مجھ سے ٹکرانے تھے دنیا کے حوادث لیکن
میں تری زلف نہیں تھا کہ پریشاں ہوتا

میں ترے پھول سے پیکر کو شکل بخشوں گا
تو مجھے موسمِ خوشبو کی پریشانی دے

اے مرے ذہن کی تنہائی پہ ہنسنے والے
میری آنکھوں کو ذرا جرأتِ حیرانی دے

موت جب چال چل رہی ہوگی
زندگی ہاتھ مل رہی ہوگی

بڑھ رہے ہیں جو اس قدر سائے
دھوپ شاید ڈھل رہی ہو گی

ان کی آنکھوں کی مستیاں مت پوچھ
میکدے ڈوب ڈوب جاتے ہیں

یوں مجھے غم دے کہ دنیا کو بھی اندازہ نہ ہو
اس طرح پانی میں پتھر پھینک آوازہ نہ ہو

میں تری تعمیر کا منکر نہیں لیکن مجھے
اک مکاں ایسا بنا دے جس میں دروازہ نہ ہو

کنکر پڑے تو جاگ اُٹھا آواز کا بھنور
ورنہ اداس جھیل کا پانی خموش تھا

قریب آ کر سجا لوں تری قبا پہ انہیں
مری مژہ پہ ستارے بکھرنے والے ہیں

ٹھکرا سکی نہ اندھی کرن کے سوال کو
پھیلا دیا ہے شب نے ستاروں کے جال کو

ہم بھی ترے جواب کی تہ تک نہ جا سکے
تو بھی سمجھ سکا نہ ہمارے سوال کو

میں نے ہر جشنِ طرب ہنس کے منایا ہوتا
کاش تو آج مجھے یاد نہ آیا ہوتا

میرے زخموں کی نمائش ہوئی تجھ سے منسوب
تو نے دامن پہ کوئی پھول سجایا ہوتا

تو بھی ہمیں کرتا رہا شیشوں کے حوالے
ہم نے بھی ترے عکس کو شیشوں میں اُتارا

زیبائشِ پیراہن و آرائشِ گیسو!
آ تجھ سے ہے دست و گریباں تری خوشبو

دن میں بھی ستارے نظر آئے مجھے محسنؔ
اُس آنکھ میں دیکھے ہیں چمکتے ہوئے آنسو

محسنؔ فصیلِ شہر پہ رقصاں ہیں ظلمتیں!
شاید وہ چاند جھیل کی تہ میں اُتر گیا

آنکھوں کی پیاس وہم کے زنداں میں لے گئی
صحرا چمک اُٹھا تو سمندر لگا مجھے

میں نے سوچا تو ہر اک سنگ برہنہ سر تھا،
میں نے دیکھا تو مرے سر پہ بھی دستار نہ تھی

یہ فرقِ مرگ و زیست نہایت عجیب تھا،
ہر شخص اپنے اپنے وطن میں غریب تھا

میں دُور دُور تک تری خوشبو میں کھو گیا
شاید تو رات مجھ سے نہایت قریب تھا

کتنی عزیز تھی تری آنکھوں کی آبرو
محفل میں بے پیے بھی ہمیں ڈولنا پڑا

وہ مضطرب کہ اُس پہ اُٹھیں اُنگلیاں بہت
میں مطمئن کہ اُس کو مرے غم کا پاس تھا

خیال بن کے جو دل میں اُترنے والے ہیں
مری دنیا میں وہی رنگ بھرنے والے ہیں

میں زخم، وہ شبنم ہے، میں آنسو، وہ ستارا
اُس نے مرے ماحول کو ہر طرح سنوارا

شامِ غم تھی تری زلفوں سے عبارت آدوست
احتراماً مری پلکوں پہ چراغاں نہ ہُوا

وقت کے ہاتھ میں لمحات کی تلوار نہ تھی
ورنہ مقتل کی کوئی راہ کبھی دُشوار نہ تھی